بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اختلافات و نزاعات کے بہت سے ہنگامے میں نے زندگی میں دیکھے ـــــ خاندانوں میں، کاروباری حلقوں میں، اخباروں میں، شعرا اور ادیبوں میں، سیاسی اکابر اور ان کے گروہوں میں اور تا بحدِ آخر مذہبی جماعتوں اور دینی اداروں میں ـــــ نسبتہً قریبی دائرے کے اندر تحریکِ اقامتِ دین کے علمبرداروں اور خادموں میں۔

یہ سارے تجربات جہاں بے حد رنجدہ ہوتے ہیں وہاں یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ ذوقِ اختلاف کی گندھاوٹ عین انسانی فطرت میں ہے۔ بقولِ ذوق اختلافات ہی سے ساری رونق قائم ہے ـــ شکلوں، صورتوں میں اختلاف، زبانوں اور اطوار میں اختلاف۔ لباسوں اور رہن سہن میں اختلاف، سیاست اور معیشت میں اختلاف۔ نظریات اور فلسفے بہت، نظام ہائے اجتماعی کے ڈھانچے مختلف، ایک جمہوریت ہی کے روپ کئی کئی، آمریت کے بھی بہروپ صدہا۔ اور تو اور شریعت میں ایک ہی نص کی مختلف تفسیریں، ایک ہی حکم کی مختلف تعبیریں، حتیٰ کہ چار فقہوں کی موجودگی برحق اور ایک گروہ کہتا ہے کہ پانچویں فقہ کو بھی مانا جائے۔

اختلاف کی کچھ حدیں ہیں جن تک وہ محدود رہے تو اختلافات سے خیر و خوبی پیدا ہوتی ہے جیسے کہ حضورؐ سے اختلافُ اُمّتی رحمۃٌ کا ارشاد منقول ہے۔ مگر حدودِ مناسب سے جب اختلاف آگے بڑھتا ہے تو زحمت و فساد کا باعث بنتا ہے۔

اصولی طور پر اس کی آخری حدیں وحی سے متعین ہوتی ہیں، جیسے کہ مختلف مقامات پر مصحف پاک میں یہ مدعا بار بار بیان ہوا کہ:

مَا اخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (جاثیہ-۱۷)

انہوں نے العلم کے آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا ہے، باہمی کشمکش کی بنا پر۔

یعنی اہل ایمان کے ہر اختلاف و کشمکش کو العلم کے سامنے آنے پر ختم ہو جانا چاہیے۔ العلم سے مراد حکم خدا و رسولؐ بالنص ہے۔ اسی بات کو یوں بھی قرآن نے واضح کیا ہے:

فَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ إِلَى اللّٰهِ (شوریٰ-۱۰)

پھر جس معاملے میں بھی تم اختلاف کرو، تو اُس کا فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔

یہ تو سب سے بڑی اصولی بات ہے، لیکن تفصیلات بہت سی ہیں۔

یقیناً بعض جزئی اختلافات نیک نیتی سے بھی ہو سکتے ہیں، مگر ایسے اختلافات اگر غل وغش سے پاک ہوں تو ان کا حل خدا اور رسولؐ کے فرمودات کی روشنی میں فریقین خوش خلقی اور خوش بیانی سے خود ہی کر لیتے ہیں۔ لیکن بیشتر صورتوں میں اختلافی رجحانات و جذبات میں شیطان نفسانیت کی ملونی ڈال دیتا ہے۔

اختلاف کا معاملہ ایسا ہے کہ قرآن و حدیث میں بڑے جامع انداز سے اسلامی حکمتِ اختلاف یا فلسفۂ اختلاف کو بیان کر دیا گیا ہے اور ہر نکتہ کے سامنے واقعاتی نظائر موجود ہیں۔ گو ان ساری تفصیلی ہدایات کو یہاں جمع کرنا ممکن نہیں، کوشش یہ ہے کہ ان کا ماحصل سامنے لایا جائے۔

اسلامی حکمتِ اختلاف سے استفادہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ دینِ برحق جن مقاصد کے لیے آیا ہے اُن کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں کہ توحید کی بنیاد پر مسلمانوں کی مضبوط وحدت (کَبُنیانٍ مرصوص) استوار ہو۔ یہی اشارہ ہے فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کا۔ توحید جتنی صحیح طور پر دلوں میں راسخ ہوگی، اہلِ توحید کا اتحاد بھی اتنا ہی مضبوط ہوگا۔

پھر حقیقت کا ایک پہلو یہ سامنے رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی نگاہ آخرت پر زیادہ مرتکز ہوگی یا جو کوئی اپنے نصب العین کے عشق میں سرشار ہوگا اُسے چھوٹے چھوٹے قضیوں اور جھمیلوں سے دلچسپی نہ رہے گی اور وہ وقت اور قوتوں کا ضیاع پسند نہ کرے گا۔

تیسری ضروری بات یہ ہے کہ اصل اختلاف ایمانیات یا زندگی کے بنیادی تصورات کا اختلاف

ہوتا ہے، بعدازاں اُصول و احکام کی تعبیرات کے اختلافات سامنے آتے ہیں، پھر تدابیر، مصالح اور انتظامی اُمور کے اختلافات اور آخری درجے پر ذاتی مفاد کے اختلافات۔

پہلی قسم کے اختلافات تو اسلام پر ایمان لاتے ہی اہلِ ایمان کے درمیان ختم ہو جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے اختلافات علمی، تحقیقی اور استدلالی ہوتے ہیں جن کا فیصلہ استدلالی طریقوں سے ہونا چاہیے اور جن کو اگر فریقین خود حل نہ کر سکیں تو کوئی ایسا شخص یا ادارہ ڈھونڈا جاتا ہے جو "فوق کل ذی علمٍ علیم" کے مطابق علمی لحاظ سے فائق اور بلند تر اور معتمد علیہ ہو۔ تدابیر و مصالح کے اختلافات میں سے بعض بہت زیادہ اہمیت والے ہوتے ہیں اور بعض کم اہمیت والے۔ ان کو حل کرنے میں استدلالی طریق کے علاوہ شورائیت کے اس اصول کو بھی برتا جا سکتا ہے کہ چند افراد خود یا زیادہ وسیع حلقے کے اجتماعِ تام یا اجماعِ ناقص کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ نہ کریں تو پھر کوئی حل نہیں۔ آگے افتراق ہی افتراق اور فساد ہی فساد ہے۔

سب سے آخری درجہ انفرادی یا گروہی مفاد کی کشمکش سے پیدا ہونے والے اختلافات کا ہے۔ ان کا حل گفتگو اور دلائل سے اگر نہ ہو سکے تو پھر ثالثی یا تحکیم یا عدالتی انداز سے ہو جانا چاہیے اور فریقین جس طریقے کو بھی مانیں اُس کے تحت ہونے والے فیصلے کا دونوں کو پابند ہونا چاہیے ــ خواہ نفع ہو، یا نقصان؛ اور کسی صورت میں بھی کسی فریق کو بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ راستے خود شریعت ہی نے ہمیں بتائے ہیں۔ ان کو نہ مانا جائے تو پھر نزاعات کا کوئی حل نہیں ہے۔ اور دل و دماغ میں زہریلے آبلے پڑ جائیں گے اور زندگی آگ کے شعلوں سے بھر جائے گی۔ وہ چہرے جن پر مسکراہٹوں کے پھول کھلنے چاہئیں ان پر نفرت کے تارکول کا غبار چپک جائے گا۔ اس غبار کو اگر دنیا میں نہ صاف کیا جا سکے تو خدانخواستہ آخرت تک بھی ساتھ جا سکتا ہے۔

اُوپر درج شدہ آیت میں لفظ "بغی" کا استعمال ہوا، جس کے معانی میں زیادتی، ظلم اور بے جا حصولِ مفاد وغیرہ شامل ہیں۔ یہ بیماری مال یا مادی مفاد ہی تک محدود نہیں رہتی، بلکہ انانیت، تکاثر و تفاخر، رشک و حسد، شہرت حاصل کرنا، اپنی عزت و ناموری کو بڑھانا اور

دوسرے کا درجہ گھٹانا، قوت و اثر میں کسی دوسرے سے بڑھ جانے کے لیے غلط سلط ذرائع اختیار کرنا، ان سب مظاہر کے پیچھے وہی بیماریٔ دل کام کرتی ہے۔ اس طرح کے محرکات وعوامل کا مخفی زہر فکری یا تدبیری اختلافات میں آملتا ہے۔ کبھی کبھی کسی کے متعلق کوئی ایسی وجۂ ناپسندیدگی پیدا ہو جاتی ہے یا کبھی ایسی بدگمانیاں جمع ہو جاتی ہیں کہ کسی فرد یا گروہ کے لیے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس نفرت کا تلخ وگرم لاوا ہر قسم کے اختلافات کی بحثوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی رُو سے کچھ چیزوں سے اپنی حفاظت کرنی چاہیے۔ مثلاً:۔

۱۔ اپنے آپ کو متکبر (جس کی بنیاد یہ مادی فوقیتوں، علمی بالاتری، لسانی وقلمی مہارت یا عہدہ ومنصب جیسی چیزوں پر استوار ہوتی ہیں) پر رکھ کر دوسروں کی تحقیر وتضحیک نہ کی جائے۔

۲۔ کسی بھی قسم کی سرسری افواہوں پر جو کسی دوسرے شخص (خصوصاً جس کے متعلق پہلے سے کوئی پھانس موجود ہو) کے بارے میں موصول ہوں، اچھی طرح تحقیق کیے بغیر کوئی رائے قائم نہ کی جائے۔

۳۔ غیبت کا راستہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے بلکہ شخصِ متعلق سے کوئی شکایت یا اس کے بارے میں کوئی اشتباہ ہو تو اخلاقی جرأت سے کام لے کر براہ راست بات چیت کر لینی چاہیے۔ اپنی غلطی سامنے آجائے تو معافی طلب کر لینی چاہیے اور دوسرے کو غلطی کا احساس ہو جائے تو بلا تامل معاف کر دینا چاہیے۔

اس الجھن کا کوئی حل میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر متعلقہ لوگ شکایات وشبہات سننے پر تیار ہی نہ ہوں اور سنیں تو خوشگواری کے انداز کو برقرار نہ رکھ سکیں، نیز نوٹس لینے کے بعد مستفسرانہ انداز میں شکایت کرنے والے کو بلیک لسٹ کر کے پھر اس سے انتقام لینے کی چالیں چلنے لگیں تو کیا ہو؟ میری رائے میں یہ حالت کسی اوسط درجہ کے اسلامی معاشرے (خصوصاً اس کے تعلیم وتربیت پائے ہوئے افراد کی کسی تنظیم) میں قابلِ تصور نہیں ہے۔ یہ حالت اگر عملاً پیدا ہو جائے تو پھر اسلامی کردار کی نشوونما کی امیدوں سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔

۴۔ چند افراد کے سلسلۂ غیبت ونجویٰ سے بڑھ کر زیرِ سطح طوفانِ منافرت خیزی زیادہ خطرناک ہے، جو دوب گھاس میں پھیلنے والے پانی کی طرح غیر محسوس طور پر دور دور تک کے رشتوں

کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ انتہائی بدنصیبی ہوگی کسی بھی دینی مقصد کے لیے جمع ہونے والے گروہ کی، جس میں شخصیتوں کی حمایت و مخالفت میں غیبت خانے کھل جائیں اور پروپیگنڈا اسنٹر قائم ہو جائیں، نیز نشر و اشاعت کی مہارتیں کام کرنے لگیں۔ میں نے بعض اوقات ماہرینِ فنِ نمیمہ کو بے دھڑک ذہن و زبان کا نہایت افسوسناک استعمال کرتے پایا ہے۔ میں جب عالمِ تصور میں یہ نقشہ دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ آیتیں اور حدیثیں پڑھ پڑھ کر اختلافات و نزاعات کی آگ کو مقدس دامنوں سے ہوا دے رہے ہیں تو غلبۂ الحاد و ظلم کے اس دور کی تباہ کاریوں کا اندازہ کر کے میرے دماغ کا ذرہ ذرہ لرز جاتا ہے۔

۵ — دین کے سرچشمۂ ہدایت میں مسلمانوں کے لیے بہترین اور صحیح رویہ "اصلاح بین الناس" کا ہے۔ جہاں کوئی اختلاف و نزاع موجود ہو، وہاں بجائے اس کے کہ کچھ افراد ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں اور کچھ دوسرے کیمپ میں — اور پھر ایک طرف کی قوت اور دوسری طرف کی قوت رسہ کشی کرنے لگے تو جیت خواہ "الف" کی ہو خواہ "ب" کی — خدا و رسولؐ کے دین کے لیے جو مہم چل رہی ہے اُسے ضرور نقصان پہنچے گا۔ آس پاس کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایک طرف والوں کو بھی غلطیوں کا احساس دلائیں اور مخالفت کے لیے تلخی کو کم کرائیں اور دوسری طرف جا کر بھی اصلاح و درستی کا سبق دیں۔ یہ کوئی طریقہ نہیں کہ کوئی سی مسلمان جماعت ایک طرف کا جھنڈا اُٹھا کر دوسری جانب کے لیے صرف کردارکشی کی مہم چلانے میں لگ جائے۔

ضمناً یہ بھی مجھے عرض کرنا ہے کہ افراد اور جتھوں کی جب کبھی بھی کوئی کشمکش ہوتی ہے تو اسے حمایتِ صداقت کے نام پر اُصولی رنگ ضرور دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بیشتر نزاعات میں حقیقت و صداقت کے کچھ اجزا ایک طرف ہوتے ہیں اور کچھ دوسری طرف۔ ایک طرف والے دوسری جانب کی صداقتوں کو زیرِ غور نہیں لاتے اور دوسری جانب والے پہلے فریق کی صداقتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ صداقتوں کے اس طرح تقسیم ہو جانے کی صورت میں کسی طرف کے لیے صد فیصد حمایت یا مخالفت مغالطوں پر مبنی ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے مغالطہ انگیز! نزاعات کی فضا میں مہم صرف صلح و سازگاری کے لیے چلانی چاہیے۔

۶ — "المجالس بالامانۃ" کا اُصول توڑنے سے بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں — اور معاملات سلجھنے کے بجائے اُلجھتے ہیں۔ کوئی بات جس دائرے کے اندر کی تھی اُس سے اُٹھا کر باہر لے چلنے کا فن ورفتہ "الف" سے جتنا سرزد ہو، اس کا وہ ذمہ دار ہے اور فریق "ب" سے جس حد تک صادر ہو اس

کا وہ جواب دہ ۔

جن اختلافات کے بیان کرنے کا ایک دائرہ شریعت کی روشنی میں دستور اور روایات کے ذریعے خود ہم نے اپنے لیے مقرر کیا ہے اس دائرے سے اختلافات کو باہر لے جانا ایک سنگین لغزش ہے۔ ایسی لغزش جس سے بھی سرزد ہو اور جو بھی ایسی غلطی کے کسی ذمہ دار کی حمایت کا علم اٹھاتا ہے، وہ اپنے کردار کے مطابق آخرت میں تو جواب دہ ہے ہی، اس دنیا میں بھی متعلقہ لوگوں کے سامنے اس کے لیے وضاحت کرنا لازم ہے اور خود لوگوں کو بھی وضاحت طلب کرنی چاہیے ——— اور اگر کسی کی غلطی واضح یا ثابت ہو تو اس پر انسانوں سے معذرت اور اللہ سے توبہ و استغفار ضروری ہے۔

خاص طور سے اگر ہم میں سے کچھ لوگ صرف ایک طرف اور کچھ دوسری طرف مل کر اور گفتگو کر کے ایک مخصوص نہج سے کیس مرتب کریں اور اسے دوسرے فریق کے خلاف لے آئیں تو ان کی طرف سے تو پہلا قدم ہی ناانصافی کا اٹھ گیا، اب وہ آگے کیا انصاف کریں گے۔ جسے کسی معاملے میں مصالحت پسندی یا منصفی کے جذبے سے دلچسپی ہو وہ ایک طرف ملاقاتیں کرے تو پھر دوسری طرف بھی کرے، ایک فریق سے کیس معلوم کرے تو دوسرے سے بھی جا کر دریافت کرے۔ اتنی فرصت نہ ہو یا ذہن میں پہلے سے ذاتی ذوق، قرب و بعد کا کوئی اثر موجود ہو تو ایسے جھگڑوں کے میدان میں اترنا ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے۔ کئی اور نیک کام کرنے کے موجود ہیں جو اہم تر ہیں۔

مجھے بعض ناخوشگوار احوال پیش آنے پر یہ ناخوشگوار تجربہ ہوا کہ قرآن و سنت کے منشا کے مطابق غیر جانب دارانہ ذہن کے ساتھ مصالحت پسندی یا منصفی کے جذبے سے کم ہی کوئی شخصیت آگے بڑھتی ہے۔ زیادہ تعداد ایسی نکلتی ہے جس کا سلوگن زبانِ عمل سے یہ ہوتا ہے کہ "کدھر تم، ادھر ہم"۔ اس "ادھر اور ادھر" سے جو تباہی قومی زندگی میں مچتی ہے اس سے اندازہ کر لیجیے کہ کسی جماعتی یا کاروباری یا خاندانی دائرے میں یہی ذہنیت گھر کر جائے تو نتائج کیا ہوں گے۔ حضرات! یہ راستہ افتراق اور گروہ بندی کا راستہ ہے۔ سوچ سمجھ کر چلیے، اور سنبھل کر چلیے۔

اس میدان میں محض جانب دارانہ جذبات کے ساتھ آنکھیں بند کر کے غلط طور پر زورِ زبان یا زورِ قلم کا استعمال نہ دنیا میں مفید ہے، نہ آخرت میں باعثِ خیر۔

۷ — فریقینِ اختلاف اور ان کے حامیوں کو اپنی کسی نزاع کے سلسلے میں جو بات بھی کہنی ہو، اسے

صاف نیت اور اخلاقی جرأت کے ساتھ قولِ سدید بنا کر پیش کرنا چاہیے۔ تشبیب و گریز اور لف و نشر اور کہ مکرنیوں کے اسالیب اختیار کر کے ایسی پُر تضاد، اُلجھی ہوئی، طنزیہ اور چیستانی باتیں نہیں کرنی چاہئیں کہ باہم دگر مغالطوں اور تندیٔ جذبات میں مزید اضافہ ہو۔ جو بھی دعویٰ یا شکایت یا اعتراض یا سوال بدلے وضاحت طلبی ہو اُسے رشتۂ نطق کو بَل دیے بغیر سنجیدہ انداز میں بیان کرنا چاہیے۔ آدمی اگر کسی شخص کو بُرا سمجھتا ہے اور اُسے بُرا کہنا چاہتا ہے تو بہت زیادہ "اگر مگر" کے چکر میں پڑے بغیر قلب و ضمیر کی بات کہہ دینی چاہیے۔ بشرطیکہ اس سے مطلوب تعلقات کی بہتری، اُلجھنوں کا حل، اللہ کی رضا اور رُوح کی تسکین ہو۔ اسی طرح جس کے خلاف آپ کیس پیش کریں، اُس میں اگر کوئی خوبی ہو تو اُسے کھلے دل سے ایسے انداز میں تسلیم کریں کہ آگے پیچھے کے جملوں سے یہ تاثر نہ ہو کہ آپ نے چار و ناچار ایک بات تو کہی مگر اُسے ملیامیٹ کرنے کا سامان بھی کر دیا۔

۸ ــــ عام حالات میں بھی، اور نزاعی ماحول میں خصوصاً، جب کبھی کوئی شخص دوسرے کے متعلق کوئی واضح الزام یا اتہام لے کے آئے تو جس کے سامنے بھی بات ہو اُس کا اگر خدا پر ایمان اور تحریک سے لگاؤ ہو تو اس کی اوّلاً شرعی و اخلاقی اور ثانیاً تنظیمی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس پر دستاویزی یا شخصی شہادت طلب کرے۔ اس کے راویٔ اوّل یا ماخذ کا سراغ لگائے اور جرح و تنقید کر کے بات کو منقح کرے۔ یہ تعمیل ہوگی قرآنی حکم: "فتبینوا" کی۔

یہاں ایک مرتبہ ایسا جماعتی یا سماجی ماحول بن جائے غلط بیانی یا غیبت یا چغلی کرنے والے یا چغلی کھانے والے یا دوسروں پر تہمت لگانے والے کسی بھی شخص کے لیے سخت مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے اور کوئی بھی شخص یا وہ گوئی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ غیبت ہو یا الزام تراشی، اِن خاردار جھاڑیوں کے اُگنے کے لیے ایک خاص طرح کی زمین اور آب و ہوا درکار ہوتی ہے۔ ایسی زمین اور ایسی آب و ہوا اپنے ہاں نہیں ہونی چاہیے۔

یہ بات بدترین گالی سے بڑھ کر ہے کہ کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ کسی کے ہاتھ بِک گیا ہے یا فلاں کا آلۂ کار ہے۔ یا اُسے جماعت کے حلقے میں کارِ خاص کے لیے داخل کیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کا کوئی آدمی سنجیدگی سے یا طنزاً یا محض اذیت رسانی کے لیے اس طرح کی بھاری اور تلخ باتیں زبان یا قلم سے ادا نہیں کر سکتا ــــ تاوقتیکہ وہ حتمی ثبوت فراہم نہ کر سکے۔ دلائل

اور موقف کی کمزوری آدمی کو بعض اوقات مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے دعوٰی کے وزن کی کمی الزامات کے ذریعے پوری کرے۔

مگر اسلام میں اختلافات کا راستہ بہتانوں اور تہمتوں کا راستہ نہیں ہے۔ حد یہ کہ تہمتیں اخباروں میں چھپیں، اُن کا پرچا ہو، وہ قریب اور دُور کے ہزارہا افراد تک پہنچیں۔ ایسی زیادتی جس سے بھی سرزد ہو اُسے شرمسار ہونا چاہیے اور فریق متعلق سے معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ خدا سے استغفار کرنا چاہیے۔ کسی شخص کو بدنیت اور بے ضمیر قرار دینے کے بعد پھر بحث کا ہے کی۔

یہ تو ایک عجیب منطق ہوئی کہ جب تک کسی ایک نکتے کا اختلاف واقع نہ ہوا ہو تو دونوں فریق ایک دوسرے کو اچھا سمجھتے ہوں اور تعریف کرتے ہوں۔ ابھی مؤقر و معظم اور بھی شستہ وشائستہ اور دونوں اسلامی ذہن و کردار کے دانشور اور قائد۔ مگر اختلاف ہونے کے بعد عزتوں اور شرافتوں اور قابلیتوں کا ایک دوسرے کی نگاہ میں خاتمہ ہو جائے۔

اختلاف کرنے والے کو مجرم بنا کر اس کے خلاف انتقام کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ پہلی کوشش رفعِ اختلاف کی ہو یا کم سے کم کسی اختلاف کے ہوتے ہوئے مل کر چلنے کی راہ نکالی جائے۔ یہ معرکہ سر کرنے میں اگر دونوں طرف کی دماغی صلاحیتیں اور اخلاقی احساسات کامیاب نہ ہوں تو پھر ثالثی اور ثالثی کے بعد ایک طرح کی عدالتی تحقیق کے ذریعے معاملے کو فیصل کرا کے دونوں فریقوں کو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ یہ ممکن نہ ہو تو پھر ہنستے مسکراتے جدا ہونے کے بعد سارا قصہ بھول بھلا دینا چاہیے اسے پلّے باندھ کے رکھنا اور پچھلی باتیں یاد کر کر کے اپنے اور نئے نئے نکتے ایجاد کر کے اور جرمِ اختلاف کی سزا دینے کی تدبیریں اختیار کر کر کے اپنے اور حریف کے اعصاب کی پسپائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ساری کارروائی ایک منفی کارروائی ہے۔ خدا خوفی سے آزاد آدمی یہ سوچتا ہے کہ جس نے اختلاف کی جسارت کی ہے اور گردن نہیں جھکائی ہے، اس کے لیے جینا دوبھر کر دیا جائے، اس کی عزت گھٹا دی جائے، اس کی ذات کو تنازعہ فیہ بنا دیا جائے، اس کے سلسلۂ رزق کو درہم برہم کر دیا جائے اور اس کی شخصیت پر الزامات و اتہامات کا ٹنوں ملبہ ڈال دیا جائے۔

اگر نزاع کے دو فریقوں میں سے کوئی ایک بھی اس منفی راستے پر قدم رکھنے سے انکار کر دے تو دوسرا اکیلے ہاتھ سے تالی نہیں بجا سکے گا۔ آخر پہلے بھی تو مولینا مودودیؒ نے مثال قائم کی اور جماعت کے لوگ اب بھی اس کے زیر اثر کئی حملہ آوروں کے حملے پے در پے کے باوجود ان کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔ کیا کسی کے لیے اس میں کوئی سبق نہیں۔

یہاں تک بھی ایک بات ہے کہ آپ [illegible] ایک بار دل کا [illegible] اگل لیں [illegible]، اس پر بس نہیں تو دو بار سہی۔ مگر کسی "فی سبیل اللہ قتال" کے لیے اول درجے کے دماغوں کا میدان میں آجانا، کچھ کا اگلے مورچوں سے فائر کرنا اور کچھ کا دور پیچھے کا تیڈنگ کمپ کے تہ خانوں میں بیٹھ کر ہدایات جاری کرنا، اخبارات و رسائل میں مضامین کی اشاعت، پمفلٹوں کی مہم، پھر ریشمی رومال تحریک کی طرح مکاتیب کی مہم، مراسلوں کا اجرا، ملک کے اندر ہی نہیں، بین الاقوامی دائرے میں بھی، پھر کسی کی حمایت سے بعض افراد کو بدکنے کے لیے ان پر وفود کے ذریعے سماجی دباؤ —— آخر یہ کوئی اسلامی یا شریفانہ اختلافات کے طریقے ہیں؟ پھر اپنی اپنی صفیں الگ کرنے کی کوششیں ایسی ہیں جیسے کوئی انتخابی معرکہ یا ریفرنڈم درپیش ہے کہ ایک فریق زیادہ سے زیادہ ووٹ اپنی طرف جمع کر رہا ہے [illegible] اپنی طرف۔

کیا رسّہ کشی کے اکھاڑے کی ایسی داستانیں جماعتِ اسلامی کی روئیدادوں یا تاریخ کا جزو بننے کے قابل ہیں؟

مسلمانوں کی بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ اسلام کے لیے کام کرنے کو بار بار اٹھتے اور جمع تو ہوتے ہیں، لیکن ذرا ذرا سے اختلاف پر آپس میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ کچھ آگے چلتے ہیں، پھر اختلافات کی چھری ایک ٹکڑی کو کاٹ کر الگ کر دیتی ہے۔ جماعتیں بن بن کر بکھر جاتی ہیں۔ اتحادی فنا ہوتے ہیں، اور نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ قائم و دائم ہے تو وہ ہے تفرقہ!

مصیبت اصلاً یہی ہے کہ اختلافات کے باوجود [illegible] نہیں آتا [illegible] اختلافات سے علیحدہ نہ ہونے کی صحیح [illegible] [illegible]

دین کی سربلندی کا مشن لے کے اُٹھے ہیں، اُس نے آدابِ اختلاف اور طریقۂ حلِ نزاعات بھی ہم کو بتائے تھے۔ ان کو ہم جانتے بھی ہیں، مگر عملاً جب اختلافات کی آزمائش پیش آتی ہے تو وہ طریقے فراموش ہو جاتے ہیں۔ ہمارے قریبی بزرگ اور ساتھی جن کو اختلافات و نزاعات کے حل کے لیے غیر جانبدارانہ انداز سے کام کرنے کو موجود ہونا چاہیے وہ وقت پر خود جانب دار بن کر کھڑے ہو جاتے اور اپنے مرتبۂ قیادت اور دانشوری کے باوجود خادمانِ دین کو اختلافات سے پیدا ہونے والے خطروں سے نہیں بچا سکتے۔

جس دن اس مسئلہ کا حل مسلمانانِ پاکستان اور مسلمانانِ عالم نے نکال لیا، اُس دن کوئی مزاحم قوت ہمارے سامنے کھڑی نہ رہ سکے گی۔ اور اس مدعا کے لیے فکری اور عملی رہنمائی بہم پہنچانا تحریکِ اسلامی پر بدرجۂ اشد لازم ہے۔

خوشخبری

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ لاہور

اور

تحریکِ اسلامی کا جملہ لٹریچر حاصل کرنے کے لیے ہم سے رجوع کریں

مکتبۂ تطہیرِ افکار۔ ڈھکی منور شاہ۔ قصہ خوانی بازار۔ پشاور